اسلامی اور مغربی تصورِ حقوق کا تقابلی مطالعہ

اسامہ شعیب علیگ

موجودہ دور میں 'حقوق انسانی' کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے اور یہ آج کا ایک زندہ موضوع (Burning Topic) ہے۔انسانی حقوق کی مختلف تنظیمیں اور کمیشن قومی اور بین الاقوامی سطح پر کام کر رہے ہیں۔ جہاں بھی بنیادی حقوق کی پامالی ہوتی ہے ان کی طرف سے اس کے ازالے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود، گوکہ دنیا مادی لحاظ سے کمال پر پہنچ گئی مگر معاشرتی طور پر انسانی اقدار زوال کا شکار ہیں۔انسان خود غرضی کی وجہ سے حیوانیت اور درندگی کی طرف بڑھ رہا ہے اور باہمی محبت،اخوت اور ہمدردی کے بجائے ایک دوسرے کے حقوق غصب کر رہا ہے۔ مغرب علمی و فکری، سیاسی و تمدنی بالادستی اور ذرائع ابلاغ پر مکمل تسلط کی بدولت بزعم خود انسانی حقوق کا علم بردار بن بیٹھا ہے، لیکن خود مغربی ممالک میں انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں اور رنگ و نسل کے تعصبات عروج پر ہیں۔ان کا تصور بنیادی حقوق ان کے نظریہ قومیت اور نسلی امتیاز تک محدود ہے۔ وہ اپنی قوم یا سفید فام نسل کے لیے جن بنیادی حقوق کو چاہتے ہیں دوسری قوموں یا نسلوں کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہیروشیما، ناگاساکی،ویت نام، کمبوڈیا، مشرق وسطیٰ، عراق اور افغانستان میں جا بجا امریکہ کے ہاتھوں انسانی حقوق کی پامالی کی داستانیں بکھری ہوئی ہیں۔اسی طرح کی کیفیت روس کی بھی رہی ہے۔ جہاں پونے دو کروڑ انسان سرخ سویرے کے جلوہ گر ہونے پر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

آج بعض واقعات کا سہارا لے کر مخالفینِ اسلام کی پوری کوشش ہے کہ انسانی حقوق کے سلسلے میں اسلام اور اس کی تعلیمات کو کم زور اور کم تر ثابت کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی حقوق انسانی کا علمبردار ہے اور آج مغرب جن انسانی حقوق کی وکالت کر رہا ہے اسے اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی دنیا کو عطا کیا تھا اور جن سے مغرب کے نام نہاد اور مہذب ممالک ماضی قریب ہیں آگاہ نہ تھے۔

مغربی حقوقِ انسانی کی تاریخ

انسانی حقوق کی تاریخ کا آغاز قدیم یونان اور روم سے ہوتا ہے۔ایتھنز اور دیگر یونانی ریاستوں میں عام درجے کے شہریوں کو سیاسی اور حکومتی امور میں حصہ لینے کا حق حاصل تھا۔اہلِ روم کے ادارتی شعبوں کا قیام بالخصوص رومی محکمۂ قانون فطری قانون کے نظریے کے تابع تھا۔ جس کی ابتدا رواقی مسلک سے تھا، جس کی رو سے دنیا عالمی (Marcus Tullius Cicero 106 BC-43 BC) متعلق یونانیوں نے کی اور اس نظریے کا بانی سسرو سطح پر کار فرما قانونِ فطرت کے تابع ہے اور اس قانون کی روشنی میں تمام لوگ برابر ہیں اور بنی نوع انسانی اس قانون کو ماننے کے پابند ہیں۔(1) یونانیوں نے یقیناً قانون کی حکمرانی اور عدل و انصاف پر زور دیا لیکن مساوات کا تصور نہ دے سکے۔ ہندوؤں کی طرح ان کے یہاں بھی انسانوں کے چار طبقات

میں حکمرانی کا حق صرف فلسفیوں(Republic)‘اپنی کتاب ’جمہوریت(Plato 424/423 BC-348/347 BC) تھے۔افلاطون کو دیتا ہے اور پھر بقیہ افرادِ معاشرہ کو فوجیوں، کاشت کاروں اور غلاموں میں تقسیم کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

” شہریو! تم آپس میں بھائی ضرور ہو، مگر خدا نے تمہیں مختلف حالتوں میں پیدا کیا ہے۔ تم میں سے کچھ میں حکم رانی کی صلاحیت ہے اور انہیں خدا نے سونے سے بنایا ہے۔ کچھ چاندی سے بنائے گئے ہیں جو ان کے معاونین ہیں۔ پھر کاشت کار اور دست کار ہیں جنہیں اس نے پیتل اور لوہے سے بنایا ہے۔“(2)

بھی چلتا ہے۔اسے بھی مساوات سے نفرت ہے۔ چنانچہ (Aristotle 384 BC-322 BC)افلاطون کے نقشِ قدم پر اس کا شاگرد ارسطو وہ ’آزاد‘ لوگوں کو حق دیتا ہے کہ وہ غریبوں کو غلام سمجھیں اور ان کی بیوی بچوں کو بھی اپنی ملکیت سمجھیں اور ان سے کام لیں۔ وہ اپنی کتاب ’سیاست‘ میں لکھتا ہے:

” فہمیدہ اور کشادہ دل اشرافیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ غلاموں کو آپس میں بانٹ لیں، انہیں کام پر لگائیں اور جوان کی ضرورت ہو اسے پورا کردیں۔ غریب لوگ امیروں کے پیدائشی غلام ہیں۔ وہ بھی ان کی بیویاں بھی اور ان کے بچے بھی۔“(3)

Zeno of Citium c. 334 BC- c.)نے آواز اٹھائی۔اس فکر کے بانی زینو(Stoics) ایسے حالات میں سب سے پہلے رواقیوں کا نظریہ پیش کیا جو اس کے نزدیک آفاقی ہے اور اس کا اطلاق (Natural Law)نے انسانی مساوات پر زور دیا اور فطری قانون (262 BC اس(Cranston M. Human Rights Today, London, 1964, P.09)کسی خاص فرد پر نہیں، بلکہ ہر انسان پر ہوگا۔ نظریہ نے روم کے مفکرین اور قانون سازوں کو بہت متاثر کیا اور انہوں نے قانون وسیاست میں ’آزادی‘ اور مساوات پر غیر معمولی زور دیا۔اس طرح سے تاریخ میں پہلی بار فرد کی اہمیت تسلیم کی گئی۔

مغرب میں بنیادی حقوق کی جدوجہد کا حقیقی آغاز گیارہویں صدی میں ہوا اور مختلف اوقات میں بعض منشور اور قوانین منظور کیے گئے جیسے 1037ء میں کے ذریعہ پارلیمنٹ کے اختیارات کے تعین کے لیے جاری کیا گیا (Conard II c.9901501039)برطانیہ میں کونارڈ دوم کے ذریعہ منظور کیا گیا حبسِ بے جا کا قانون، 15، جون 1215ء(Alfonso IX 11711501230) منشور،1188ء میں شاہ الفانسو نہم کے نام سے جاری کیا گیا بنیادی حقوق اور آزادی کا منشور جسے ’وولیٹر‘ نے ’منشور آزادی‘ قرار (Magna Carta) میں برطانیہ میں میگنا کارٹا کے درمیان ایک معاہدہ کی سی تھی جس میں امراء کے مفادات کا تحفظ (King John)اور شاہ جان(Barons) دیا، لیکن اس کی حیثیت امراء (Due Process of کیا گیا تھا اور عوام کے حقوق سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ 1355ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے ذریعے قانونی چارہ جوئی

Law) کے حق کا قانون منظور کیا گیا۔ چودھویں سے سولھویں صدی تک یورپ پر میکیاولی (Machiavelli 14691501527) کے نظریات کا غلبہ رہا جس نے آمریت کو استحکام بخشا اور بادشاہوں کے ہاتھ مضبوط کیے۔

یورپ میں سترہویں صدی سے بنیادی حقوق کے سلسلے میں مزید بیداری آئی اور 1679ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے حبسِ بے جا کا قانون منظور کیا، جس نے عام شہریوں کو بلاجواز گرفتاری سے تحفظ فراہم کیا۔ 1684ء میں انقلابی فوج نے برطانوی پارلیمنٹ کے اقتدارِ اعلیٰ کے حدود متعین کیں۔ 1689ء برطانوی پارلیمنٹ نے 'قانونِ حقوق (Bill of Rights)' کو منظوری دی جس کے ذریعہ بادشاہت کے آمرانہ اختیارات پر روک لگائی گئی اور پارلیمنٹ کی منظوری کے بنا قوانین میں ترمیم اور تنسیخ سے روکا گیا اور بنیادی حقوق کا تعین کیا گیا۔ 1690ء میں جان لاک (John Locke 16321501704) نے اپنی کتاب "Two Treatises of Government-1689" میں اور 1762ء میں فرانسیسی مفکر روسو (Jean-Jacques Rousseau 17121501778) نے اپنی کتاب (Of the Social Contract, or Principles of Political Right 1762) میں معاہدۂ عمرانی پر مدلل بحثیں کیں اور ریاست کے مقابلے میں فرد کے حقوق کو ترجیح دی۔

14 جون 1776ء کو امریکی ریاست ورجینیا (Virginia) سے جارج میسن (George Mason 17251501792) کا تحریر کردہ منشورِ حقوق (Virginia Declaration of Rights) جاری ہوا، جس میں پریس کی آزادی، مذہب کی آزادی اور عدالتی چارہ جوئی کے حق کی ضمانت دی گئی۔ 12 جولائی 1776ء کو امریکہ کا 'اعلانِ آزادی (Declaration of Independence 1776)' جاری ہوا، اس کا مسودہ تھامس جیفرسن (Thomas Jefferson 17431501826) نے لکھا تھا جس میں جان لاک کے فطری قانون (Law of Nature) کے نظریے کے مطابق تمام انسانوں کو مساوات، تحفظِ زندگی، آزادی اور تلاشِ مسرت کے حقوق دیے گئے۔ ستمبر 1787ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا دستور تیار اور نافذ ہوا۔ اس کے تین سال بعد 1789ء میں اس میں اولین ترمیم منظور کر کے مسودۂ حقوق (Bill of Rights) کو شامل کیا گیا۔ اس مسودہ میں دس دفعات منظور کی گئیں جن میں مذہبی آزادی، اظہارِ رائے، تقریر کی آزادی، پریس اور اجتماع کی آزادی دی گئی تھی اور بعد میں دیگر دفعات کا بھی اضافہ کیا گیا۔ اسے 'قانونِ حقوق' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اسی سال فرانس کی قومی اسمبلی نے منشورِ انسانی حقوق (Declaration of the Rights of Man) منظور کیا۔ اس میں بنیادی حقوق سے متعلق سترہ (17) دفعات تھیں۔ ان میں ہر فرد کو زندگی، آزادی، مساوات، جائیداد، مذہبی آزادی، تحریر و تقریر کی آزادی کا حق دیا گیا تھا اور ظلم و زیادتی، استحصال، جبری مزدوری، بغیر قانونی تقاضوں کی تکمیل کے حراست سے تحفظ دیا گیا تھا۔ 1792ء میں تھامس پین (Thomas Paine) نے اپنا مشہور کتابچہ 'حقوقِ انسانی (The Rights of Man)' شائع کیا، جس نے اہلِ مغرب کے خیالات پر گہرے اثرات مرتب کیے اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کی جدوجہد کو مزید جلا بخشی۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں ریاستوں کے دستوروں میں بنیادی حقوق کی شمولیت ایک عام روایت بن گئی۔ 1868ء میں امریکی دستور کی چودھویں ترمیم منظور کی گئی، جس میں کہا گیا کہ امریکہ کی کوئی بھی ریاست قانونی ضابطہ کی تعمیل کیے بغیر کسی شخص کو اس کی جان، آزادی اور املاک سے محروم نہیں کرے گی اور نہ اسے قانون کا مساوی تحفظ فراہم کرنے سے انکار کرے گی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور متعدد دیئے یورپی ممالک کے دساتیر میں بنیادی حقوق شامل کیے گئے۔ 1940ء میں مشہور ادیب ایچ جی ویلز (H.G.Wells18661501946) نے اپنی کتاب 'دنیا کا نیا نظام (The New World Order 1940)' میں ایک منشور انسانی حقوق کے اجراء کی تجویز پیش کی۔ جنوری 1941ء میں صدر روزویلٹ (Franklin D. Roosevelt 19331501945) نے کانگریس سے 'چار آزادیوں' کی حمایت کرنے کی اپیل کی۔ اگست 1941ء میں منشورِ اوقیانوس (Atlantic Charter) پر دستخط ہوئے جس کا مقصد بقول چرچل 'انسانی حقوق کی علمبرداری کے ساتھ جنگ کا خاتمہ' تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مختلف ممالک کے دستوروں میں بنیادی انسانی حقوق شامل کیے گئے۔ فرانس نے 1946ء کے دستور میں 1789ء کے 'منشور انسانی حقوق' کو شامل کیا۔ اسی سال جاپان نے بنیادی حقوق کو دستور کا حصہ بنایا۔ 1947ء میں اٹلی نے اپنے دستور میں انسانی حقوق کی ضمانت دی۔ (4)

آخر میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اپنے ریزولیوشن نمبر 217-A(III) کے تحت 10، دسمبر 1948ء میں ''انسانی حقوق کا عالمی منشور (The Universal Declaration of Human Rights-1948)'' جاری کیا۔ یہ عالمی منشور ابتدائیہ (Preamble) اور 30 دفعات پر مشتمل ہے۔

دفعہ (1) میں اس منشور کی نظریاتی اساس کو بیان کیا گیا ہے کہ تمام انسان آزاد اور وقار و حقوق میں مساوی الحیثیت پیدا ہوئے ہیں۔ وہ عقل اور ضمیر رکھتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ احساس کے ساتھ عمل کرنا چاہیے۔ دفعہ (3) میں اس منشور کے بنیادی حصے کو بیان کیا گیا ہے اور زندگی، آزادی اور سلامتی کے بارے میں اعلان کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو زندہ رہنے، آزاد رہنے اور اپنی جان کی حفاظت کرنے کا حق حاصل ہے، دراصل یہی حق دوسرے تمام حقوق سے استفادہ اور ان کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد دفعہ (4) سے دفعہ (21) تک 81 دیگر حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ دفعہ (22) میں معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو باوقار زندگی اور تعمیر شخصیت کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے اور ان حقوق کو دفعہ (23) سے دفعہ (27) تک بیان کیا گیا ہے۔ اختتامی دفعات 28 تا 30 میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو ایسے سماجی و بین الاقوامی نظم کا حق حاصل ہے جس میں تمام انسانی حقوق اور آزادیاں پوری طرح حاصل ہو سکیں۔ دفعہ (30) میں یہ انتباہ ہے کہ کوئی ریاست، کوئی گروہ اور کوئی شخص اس منشور میں مذکور کسی آزادی یا حق کو ختم و برباد کرنے کے لیے کسی سرگرمی میں مشغول ہونے یا ایسی کوئی حرکت کرنے کو اپنا حق قرار نہیں دے سکتا۔ (5) عالمی منشور کی تفصیل کے لیے دیکھیے (6)۔

اس دستور پر عمل درآمد کی صورتِ حال کا جائزہ لینے اور ان کے تحفظ یا نئے حقوق کے تعیین کے لیے ایک مستقل کمیشن برائے انسانی حقوق بھی قائم کیا گیا۔

مغربی حقوق انسانی کی خامیاں

مغرب کی طرف سے انسانی حقوق کے سلسلے میں کی گئی کوششیں یقیناً قابل تعریف ہیں، لیکن اگر ان کا نظریاتی اور عملی پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے تو ذہنوں میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ کیا ایک 'انسانی حقوق کا عالمی منشور' مرتب اور منظور کر لینے سے فی الواقع انسان کے حقوق محفوظ ہو گئے ہیں؟ کیا یہ منشور انسان کو آمریت و فسطائیت کے چنگل سے نجات دلانے میں کام یاب رہا ہے؟ اور کیا اکیسویں صدی کا انسان فی الواقع بارہویں یا سولہویں صدی کے مظلوم انسانوں اور غلاموں کے مقابلے میں زیادہ پر امن، محفوظ اور آزاد زندگی بسر کر رہا ہے؟

انسان کی محرومیوں اور درماندگی کے تاریخی پس منظر میں جب بنیادی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق اور ایمنسی انٹر نیشنل کی سالانہ رپورٹس، اخبارات ورسائل کی فراہم کردہ معلومات اور موجودہ صورت حال کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ تلخ اور ناقابل تردید حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ آج کے بانسان بھی محفوظ اور آزاد نہیں ہیں اور نہ ہی انہیں بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ اس کی مختلف وجوہ ہیں:

(1) اقوام متحدہ اور دیگر تنظیموں کی طرف سے جاری ہونے والے منشور اور قوانین عملی طور سے قوتِ نافذہ سے محروم ہیں۔ ان کی پشت پر ایسی کوئی طاقت نہیں ہے جو ان حقوق کو مکمل طور سے نافذ کر سکے اور عمل نہ کرنے کی صورت میں مواخذہ کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ ان حقوق کی بس تلقین کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بنیادی حقوق اور قوانین بنائے وہی ان کی پامالی میں پیش پیش ہیں اور انہیں کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اسی لیے 'عالمی منشور' کو متعدد یورپی مبصرین نے ایک تشنہ و نامکمل منشور قرار دیا۔ بقول ہینز کیلسن (Hans Kelsen 18811501973)

" خالص قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور کی دفعات کسی بھی ملک پر انہیں تسلیم کرنے اور منشور کے مسودہ یا اس کے ابتدائیہ میں صراحت کردہ انسانی حقوق اور آزادیوں کے تحفظ کی پابندی عائد نہیں کرتیں، منشور کی زبان میں کسی ایسی تعبیر کی گنجائش نہیں ہے، جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ رکن ممالک اپنے شہریوں کو انسانی حقوق اور آزادیاں دینے کے قانونی طور پر پابند ہیں۔" (7)

عالمی منشور نے ایک فرد کو بحیثیت فرد کیا دیا؟ اس کے بارے میں کارل منہائم (Karl Mannheim 18931501947) لکھتے ہیں:

" منشور نے کسی فرد کو یہ قانونی حق نہیں دیا کہ وہ منشور میں دیے گئے حقوق اور آزادیوں میں سے کسی ایک کے سلب ہو جانے کی صورت میں بین الاقوامی عدالت یا اقوام متحدہ کے سب سے بڑے ادارۂ انصاف، بین الاقوامی عدالت انصاف سے اپیل کر سکے، اس عدالت کے قانون کی دفعہ 34ء میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ عدالت کے سامنے صرف ریاستیں ہی فریق کے طور پر پیش ہو سکتی ہیں۔" (8)

(2) مغرب میں انسانی حقوق کا تصور انسانی شعور پر منحصر رہا۔ عوامی بیداری سے پہلے بادشاہوں کی مطلق العنان حکمرانی تھی اور عوام ان کے مقابلے میں مجبور اور بے بس تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ دونوں میں کشمکش بڑھتی گئی، جس کے نتیجے اختیارات اور حقوق تقسیم ہوئے۔ کل تک جن چیزوں کا شمار 'حقوق' میں نہیں ہوتا تھا آج ان کا شمار اس لیے حقوق میں کیا جانے لگا کہ عوام کا مطالبہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں عوام کے مطالبے پر ان کو بنیادی حقوق دیے گئے ہیں۔ بقول ڈبلیو فریڈمین (Wolfgang Gaston Friedmann19071501972) :

"یورپ میں بنیادی انسانی حقوق کا تصور اولاً قرون وسطیٰ کے معاشرتی نظام کے خلاف اور ثانیاً ستر ہویں اور اٹھار ہویں صدی کی جدید ریاست کی آمرانہ حکومت کے خلاف رد عمل کے طور پر ابھرا ہے۔" (9)

(3) مستقل اقدار (Permanent Values) مغربی حقوق انسانی دائمی نہیں ہیں اور نہ رکھتے ہیں۔ مغربی دنیا کے کسی بھی دستور کا مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں 'دستوری ترمیمات' کا ایک ایسا باب ضرور ہے جس کے ذریعے اربابِ حکومت نئی دفعات کے نفاذ، ان میں ترمیم و تنسیخ، ہنگامی حالات کا اعلان اور ان کے تحت حاصل شدہ اختیارات سے اپنے لیے حسبِ منشا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح ایک ایسا قدم جو کل تک ناجائز اور غیر قانونی تھا آج محض دستوری ترمیم کی وجہ سے جائز اور قانونی ہو جاتا ہے اور اس تبدیلی میں اخلاقی اصول اور عدل و انصاف کا کوئی معروف ضابطہ حائل نہیں ہوتا ہے۔ بقول سی ڈی کرنگ (C.D. Kernig)

"بنیادی حقوق کی جڑیں گو جدید دساتیر کے مسودوں میں پیوست ہوتی ہیں لیکن یہ ہمیشہ "قانون کے مطابق تعبیر" کی زد میں رہتے ہیں حالانکہ اپنی روح کے اعتبار سے یہ ناقابل مداخلت (Inviolable) سمجھے جاتے ہیں۔" (10)

(4) مغربی انسانی حقوق کے ماخذ تصوراتی ہیں اور نسلی، علاقائی، قومی اور نظریاتی تعصبات سے متاثر ہیں۔ اگرچہ مغربی ممالک دنیا کے تمام انسانوں کے لیے یکساں حقوق کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عملاً اپنی قوم اور نسل اور دیگر قوموں اور نسلوں میں تفریق کرتے ہیں۔ فرانس کے منشور انسانی حقوق کو جب 1791ء کے آئین میں شامل کیا گیا تو فرانسیسی مقبوضات اور مستعمرات کو اس کے اطلاق سے مستثنیٰ کیا گیا۔ ایسے ہی برطانیہ کے غیر تحریری دستور میں ان کے شہریوں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ برطانیہ کے نو آبادیات میں رہنے والے افراد کو نہیں حاصل تھے۔ امریکہ میں سیاہ فام لوگوں کو سفید فام نسل کے مساوی حقوق آج بھی نہیں ملے ہیں۔ ان کے علاوہ موجودہ سپر پاور امریکہ کا بنیادی انسانی حقوق کے سلسلے میں ترقی پذیر خصوصاً مسلم ممالک کے ساتھ جو رویہ ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

(5) مغربی انسانی حقوق کی بنیاد میں خدا اور مذہب کی کوئی جگہ نہیں ہے اور ' اقتدارِ اعلیٰ' کا حق انسان ہی کو دیا گیا ہے کیوں کہ یورپ میں کلیسا اور حکومت کی جنگ نے مغرب کو نہ صرف خدا کے تعلق کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم کر دیا بلکہ ان میں بطور رد عمل خدا بےزاری اور مذہب سے دوری اور نفرت پیدا ہوئی اور یہی چیز انہیں دوسری قوموں کے حقوق کی پامالی کی طرف لے گئی۔ پروفیسر الیاس احمد اس پر لکھتے ہیں :

"فلسفہ سیاست میں اقتدار اعلیٰ در در کی ٹھوکریں کھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ کبھی وہ ایک فرد سے چند افراد کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کبھی بہت سے افراد کی طرف، کبھی فرد سے معاشرے کی طرف، کبھی اقلیت سے اکثریت کی طرف، کبھی اکثریت سے پھر اقلیت کی طرف، کبھی انتظامیہ سے مقننہ کی طرف، کبھی مقننہ سے عدلیہ کی طرف اور بالآخر معاشرے سے پھر ریاست کے مجرد تصور کی طرف۔"(11)

جہاں تک انسان کی حقیقت اور اس کے مقام و مرتبہ کی بات ہے تو مغرب میں اس کا کوئی واضح تصور موجود نہیں ہے، اس لیے اس کی زندگی کے بنیادی حقوق کے تعین میں زبردست فکری الجھاؤ ہے اور سارے نظریے قیاس و گمان کی بنیاد پر قائم کردہ ہیں۔

اسلامی انسانی حقوق کے امتیازی پہلو

موجودہ دور میں انصاف پسند لوگوں کے ذہنوں یہ سوال ضرور آرہا ہے کہ "انسانی حقوق کا عالمی منشور" کی ناکامی کے بعد کیا کوئی دوسرا منشور حقوقِ انسانیت ہے جس سے واقعتاً ہر فرد کو بنیادی انسانی حقوق مل سکے اور دنیا میں امن و امان قائم ہو سکے؟ اس سوال کا جواب اس 'اسلامی عہد' میں پوشیدہ ہے، جو چھٹی سے دسویں صدی عیسوی تک پانچ سو سال کی مرتب کردہ تاریخ کے صفحات سے غائب ہے، یعنی جسے اسلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کے سامنے "منشور حقوقِ انسانیت" کی حیثیت سے پیش کیا ہے، جو نقائص اور غلطیوں سے پاک ہے۔ یہ منشور آج بھی وہ نتائج فراہم کر سکتا ہے جسے دنیا کے دیگر انسانوں کی خود ساختہ فکر پیش کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اسلامی انسانی حقوق کا تصور مغربی تصور سے زیادہ جامع اور مختلف پہلوؤں سے ممتاز ہے:

(1) اسلام نے بنیادی حقوق انسانوں کو بذاتِ خود عطا کیے ہیں، حقوق کے لیے ان کو حکمرانوں سے جنگ نہیں کرنی پڑی۔ ایسے ہی اسلام میں فرد اور ریاست کے درمیان کشمکش کا کوئی تصور نہیں ہے۔ افراد کو حقوق اس لیے حاصل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا مستحق قرار دیا ہے اور ریاست کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ان حقوق کا تحفظ کرے اور اس کے نفاذ کی ہر ممکن کوشش کرے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی ذمہ داری دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"فالامام الذی علی الناس راع، وھو مسؤل عن رعیتہ۔"(12)

"امام جو لوگوں پر حکمرانی کر رہا ہے وہ ان کا نگراں ہے، اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

(2) اسلام نے مساوات کا نظریہ پیش کیا اور سب کو ایک باپ کی اولاد اور ایک ریاست کا فرد قرار دیا۔ اس نظریہ کا تقاضا تھا کہ پوری نسلِ آدم کے لیے ایک ہی 'ضابطۂ حیات' مقرر کیا جائے چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(13) اِنَّ الدِّیْنَ عِندَاللہِالاسلَام۔

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہی ہے۔''

اس 'ضابطۂ حیات' میں واضح کر دیا گیا کہ تمام انسانوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے اور رنگ، نسل، زبان اور علاقے کی بنیاد پر ان میں کوئی تفریق نہیں کی جائے گی۔ ارشادِ نبوی ہے:

(14) یاایھاالناس الاان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لافضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لاحمر علیٰ اسود ولا لاسود علیٰ احمر الّا بالتقویٰ۔

''لوگو! خوب اچھی طرح سن لو، تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے۔ خوب اچھی طرح سن لو۔ نہ عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر، اگر کسی کو کسی دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔''

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا اشاد ہے:

(15) اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِندَاللہِ اَتْقَاکُم۔

''در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

(3) اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ بنیادی حقوق دائمی اور غیر متبدل ہیں۔ جن امور میں اس نے انسان کو آزادی دی ہے، ان میں کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے اور جن امور میں اس نے واضح احکام دیے ہیں ان میں کسی دوسرے کو قانون سازی کا حق نہیں ہے، حتیٰ کی خلیفہ وقت یا پوری امت بھی مل کر اس میں تبدیلی نہیں کر سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے عطا کردہ دستور کو مستقل حیثیت (Permanent Constitution) حاصل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(16) وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقاً وَّعَدْلاً لَاّ مُبَدِّلِ لِکَلِمَاتِہِ۔

''تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔ کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں۔''

ایک اور جگہ قرآن کہتا ہے:

(17) وَلَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِ اللہِ۔

''اللہ کی باتوں (قوانین واحکام) کو بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔''

اسلام نے انسانی حقوق کی بنیاد مذہب پر رکھی اور واضح کیا کہ 'اقتدار اعلیٰ' کا حق انسان کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ قرآن کہتا ہے (4):

(18) اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔

"۔ فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں "

حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگی سے متعلق مسائل کو حل کرنے کے لیے الہامی مذاہب کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، کیوں کہ انسان کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا قابل اعتماد ذریعہ نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب انسان نے وحی کے ذریعہ دیے گئے علم کو نظرانداز کیا اور محض عقل سے انسانی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی تو وہ راہِ راست سے بھٹک کر جہالت اور گمراہی کی وادیوں میں ٹھوکریں کھانے لگا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(19) وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ۔

" اور اے محمد! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین پر بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔"

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(20) قُلْ ھَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْہُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ۔

"ان سے کہو کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے، جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم تو محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کر رہے ہو۔ "

ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین پر اپنا نائب اور اوامر و نواہی میں اپنا پابند بنایا اور ان سے عہد لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہی مقتدر اعلیٰ مانیں اور اس کے دین کو غالب کریں اور اس کے بندوں کو ان لوگوں سے نجات دلائیں جنہوں نے اللہ سے بغاوت کر کے اس کے بندوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے اور انہیں آزادی سے محروم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(21) وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِہٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰہَ

" اللہ نے تم کو (مسلمانوں کو) جو نعمت (دین) عطا کی ہے اس کا خیال رکھو اور اس پختہ عہد و ایمان کو نہ بھولو جس اس نے تم سے لیا ہے یعنی تمہارا یہ قول کہ "ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔ اللہ سے ڈرو، اللہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے عہد کی پابندی کرنے والوں کو انعام اور خلاف ورزی کرنے والوں کو عذابِ الیم کی وعید بھی سنائی:

مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا (22)

"جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا کیوں کہ پرہیزگار لوگ اللہ کو پسند ہیں، رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

یہ تصور حکمراں کو عوام کے حقوق کی ادائیگی میں محتاط اور حساس بناتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خدا کی محبت اور اس کی خشیت دل میں جتنی زیادہ ہو گی، انسانی حقوق کی پاسداری کا لحاظ بھی اسے اسی قدر ہو گا۔

اسلام نے عوام کے سامنے حکم رانوں کو جواب دہ بنایا اور انہیں اس بات کا حق دیا کہ اگر وہ حکم رانوں کو حقوق و فرائض کی ادائی میں غافل پائیں تو ان کا محاسبہ کریں، ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں اور اگر پھر بھی درست نہ ہوں تو انہیں معزول کر کے دوسرے کو منتخب کر لیں۔ امتِ مسلمہ کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ خلیفۂ وقت کو ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ٹوکا گیا اور انہوں نے برا مانے بغیر اپنی اصلاح کی۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ منبر پر فرمایا: (5)

"صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور تلوار کھینچ کر بولا "تمہارا سر اڑا دیں گے" آپؓ نے اسے آزمانے کے لیے ڈانٹ کر فرمایا: کیا میری شان میں تو یہ الفاظ کہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں تمہاری شان میں، حضرت عمرؓ نے کہا "الحمدللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔" (23)

بعض اسلامی اور مغربی تصور حقوق کا موازنہ

اس میں اسلام کے پیش کردہ بنیادی انسانی حقوق اور مغرب کے حقوق کا تقابلی موازنہ کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ انسانی حقوق اور ان کی فلاح و بہبود کے بارے میں دونوں کا نقطۂ نظر واضح ہو سکے۔ یہ وہ حقوق ہیں جو بلا تفریق ملت و عقائد سب کو حاصل ہیں۔

زندہ رہنے کا حق

اسلام نے تمام انسانوں کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے، خواہ وہ کسی بھی قوم، ملک، علاقہ، مذہب اور فکر سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کے نزدیک کسی ایک کو بلا وجہ قتل کرنا تمام انسانوں کو قتل کرنا ہے۔ (24) قرآن کہتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَا (25)

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔ اور جس نے کسی کی ''
'' جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کی زندگی بخش دی۔

اسلام نے ناحق قتل کرنے والے کو جہنم میں ہمیشگی کی سزا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(26) وَمَن یَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِیهَا وَغَضِبَ اللّهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَا

جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''
'' اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غربت اور مفلسی کی وجہ سے اولاد کو بھی قتل کرنے سے منع کر دیا۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام رحم مادر میں پلنے والے جنین کو بھی زندہ رہنے کا حق دیتا ہے اور اسقاطِ حمل سے روکتا ہے۔ چناں چہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(27)۔ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلاَدَكُم مِّنْ إمْلاَقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ

'' اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ ''

مزید یہ کہ اسلام نے نہ صرف دوسروں کی ناحق جان لینے سے روکا بلکہ خود کو بھی ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا اور خود کشی کو حرام قرار دیا:

(28)۔ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ

'' اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ ''

اسلام نے ناحق قتل میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(29) من قتل معاهداً لم یرح رائحة الجنة۔

'' جس شخص نے کسی ایسے غیر مسلم کو جس سے معاہدہ ہو، (ناحق) قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔ ''

اس کے برعکس مغربی بنیادی حقوق انسانی کے انسان کو زندہ رہنے حق تو دیا گیا ہے لیکن فی الحقیقت اس میں یہ بات مضمر ہے کہ یہ صرف ان کے شہریوں اور سفید فام نسل کے لوگوں کو ہی حاصل ہے۔ افغانستان، عراق، فلسطین، لیبیا، بعض دیگر مسلم ممالک اور افریقہ میں مغربی اقوام کے ذریعہ نسل کشی

کرنایاآسٹریلیامیں قدیم باشندوں کواپنے لوگوں کے لیے قتل کرنااورانہیں نکال باہر کرناوغیرہ سے ثابت ہوتاہے کہ ان کے نزدیک انسانی جان کابحیثیت 'انسان' کوئی احترام نہیں ہے بلکہ قوم، نسل، رنگ اور علاقے کی بنیاد احترام کیاجاتاہے۔

یورپی کنونشن برائے تحفظ حقوق انسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے دفعہ 2 میں لکھاہے کہ جان سے محرومی کی سزااس وقت جائز ہوگی جب کسی کو قانونی طور گرفتار کرنے یاقانون کی حراست سے بچ کر بھاگنے کے جرم میں دی جائے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ ایسا بھی ہوسکتاہے کہ اس کا جرم ثابت نہ ہویاہلکاہو۔ زندگی کے حق کو محض کسی غیر واضح جرم کی بناپر حراست میں رکھنے کے لیے خطرہ میں ڈالنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

(30) واللہ لایؤسر رجل فی الاسلام بغیر العدول۔

''اللہ کی قسم اسلام میں کسی شخص کو قید نہیں کیاجاسکتاجب تک کہ معتبر گواہی کے ذریعے اس کا مجرم ہوناثابت نہ ہوجائے۔''

مزید برآں مغربی حقوق انسانی میں اسلام کے برعکس اسقاطِ حمل کو جائز قرار دیا گیاہے اور انسان کو تحفظِ جان کا حق ولادت کے بعد دیا گیاہے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ مغربی مفکرین نے اسلام کی مقرر کردہ حدود اور تعزیرات کوانسانی حقوق کے خلاف قرار دیاہے اور انہیں اپنے 'عالمی منشور حقوق انسانی' میں شامل نہیں کیاہے کیوں کہ ان کی نظر میں سوائے سزائے موت کے جو بعض ممالک میں رائج ہے، دیگر سزاؤں کو ظالمانہ ہے۔ مثلاً چور کاہاتھ کاٹنا، ڈاکو کو قتل کردینا، زانی کو سنگسار کرنایاکوڑے مارنااور شرابی کو کوڑے کی سزادیناوغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی طرف سے نافذ کردہ حدود اور تعزیرات کا عظیم مقصد یہ ہے معاشرے کو جرائم سے پاک رکھاجائے اور دنیامیں لوگ امن و سکون کے ساتھ رہ سکیں۔ ان سزاؤں کو سخت اس لیے رکھاگیاکہ یہ لوگوں کو جرائم کے ارتکاب سے باز رکھتی ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی جن ملکوں میں ان کا نفاذ کسی نہ کسی شکل میں باقی ہے، وہاں جرائم کی شرح انتہائی کم ہے اور ان کے مقابلے میں مغربی ممالک میں جہاں انسانوں کے بنائے ہوئے قانون ہیں وہاں جرائم اپنے عروج پر ہیں۔

آزادی کا حق

اسلام نے انسانوں کو آزادی کا حق دیاکہ وہ اپنے ارادے واختیار میں آزاد ہیں کہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں۔ اس میں شخصی آزادی، غلامی سے آزادی، عقیدے کی آزادی، اظہارِ رائے کی آزادی اور نقل وحرکت اور سکونت کی آزادی وغیرہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(31) مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔

"کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ، تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے باعث۔"

اسلام نے آزاد انسان کو غلام بنانے اور اسے بیچ دینے سے بھی منع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(32) انی مخاصم من اُمتی ثلاثۃ یوم القیامۃ و من خاصمتہ خصمتہ رجل باع حرّاً، اَو اَکل ثمنہ۔

"تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کے خلاف قیامت کے روز میں خود مستغیث ہوں گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے کسی آزاد کو بیچا یا اس کی قیمت کھائی۔"

اہلِ مغرب کو اس پر بہت فخر ہے کہ انہوں نے غلامی کا انسداد کیا ہے، جب کہ انہیں اس کا خیال انیسویں صدی کے وسط میں آیا اور نہ اس سے پہلے انہوں نے مختلف کم زور ممالک کو اپنا غلام بنائے رکھا، خصوصاً افریقہ کے لوگوں کو پکڑ کر اپنے ملکوں میں غلام بنا کر لے جاتے رہے۔ (33)

اسلام نے ہر فرد کو عقیدے کی آزادی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(34) لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ۔

"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے، صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔"

اسلام مسلمانوں کو دنیا کے سامنے دین کی دعوت پیش کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن اس میں جبر اور زبردستی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں:

(35) وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کُلُّہُمۡ جَمِیۡعًا اَفَاَنۡتَ تُکۡرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ۔

"اگر تیرے رب کی یہ مشیت ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہلِ زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔"

مغربی حقوق انسانی میں عقیدے اور مذہب کی آزادی دی تو گئی ہے مگر عملاً یہ مفقود ہے۔ مغرب آج بھی دوسروں پر خصوصاً مسلم ممالک میں اپنے مذہب اور عقیدے کو بڑھاوا دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔

اسلام نے انسانوں کو اظہارِ رائے کی پوری آزادی دی ہے کہ وہ ظلم کے خلاف حق بات بولیں اور ملی و ملکی مسائل پر رائے دیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس سے برائی نہ پھیلے اور نہ ہی کسی کی دل آزاری اور نقصان ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔ قرآن کہتا ہے:

(36) إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ۔

''ان کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ ''

انسان میں یہ صفت اسی وقت پیدا ہو گی جب اسے اظہارِ رائے کی آزادی حاصل ہو۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آزادی کی حد بھی متعین کر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ وہ صحابہ کرامؓ سے مشورے لیتے اور اظہارِ رائے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ خلفائے راشدین اور دیگر حکمرانوں نے بھی اس کا بھرپور خیال رکھا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں کوئی بھی آپؓ کو ٹوک سکتا تھا چناں چہ ان کو بھرے مجمع میں اپنے جسم کی دو چادروں کا حساب دینا پڑا۔ اسلامی تاریخ میں اس طرح کے سیکڑوں واقعات ہیں جن میں خلیفۂ وقت کو ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ٹوکا گیا اور انہوں نے ایسا کرنے والوں کو کوئی سزا نہ دی۔

اس کے برعکس مغرب حقوق انسانی میں 'آزادی اظہارِ رائے' کی مکمل چھوٹ دے دی گئی۔ ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے ذہن میں جو بھی غلاظت موجود ہے اسے وہ دنیا کے سامنے بلا روک ٹوک پیش کر سکتا ہے، خواہ اس سے کسی قوم یا فرد کے مذہب، عقیدے اور عزتِ نفس پر ضرب ہی کیوں نہ پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کبھی مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا مذاق اڑاتے ہیں تو کبھی اظہارِ رائے کے نام پر فحاشی کو فروغ دیتے ہیں۔

ذاتی زندگی میں رازداری (Privacy) کا حق

اسلام نے ہر فرد کو ذاتی زندگی گزارنے کا حق دیا ہے اور اس میں کسی کی مداخلت، ٹوہ، گمان، تجسس اور شک کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(37) وَلَا تَجَسَّسُوا۔

''اور تجسس نہ کرو۔''

اسلام پرائیویسی کا اس قدر خیال کرتا ہے کہ اس نے کسی بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے سے منع کیا۔ قرآن کہتا ہے:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَیْرَ بُیُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُ
(38) ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِیمٌ۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔"

مزید یہ کہ اسلام نے خلیفۂ وقت کو بھی لوگوں پر بلاوجہ شک وشبہ کرنے اور ان کی جاسوسی کرنے سے روک دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(39) ان الأمیر اذا ابتغی الریبۃ فی الناس أفسدھم۔

"اگر حکمراں اپنی رعایا کے ساتھ شک وشبہ کا معاملہ کرے گا تو انہیں بگاڑ کر رکھ دے گا۔"

ایک اور جگہ آپؐ نے فرمایا:

(40) انک ان اتبعت عورات الناس أفسدتھم أو کدت أن تفسدھم۔

"اگر تم لوگوں کے پوشیدہ امور کی ٹوہ میں رہو گے تو انہیں بگاڑ دو گے یا بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔"

مغرب نے انسان کو ذاتی زندگی کا حق تو دیا لیکن اربابِ حکومت کی طرف سے عوام الناس کے فون، ای میل، خطوط، تصاویر اور بات چیت وغیرہ ریکارڈ کی جاتی ہے، اس سے ان کی ذاتی زندگی (پرائیویسی) کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ یہاں انسان اقتدارِ اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہے اور اسے ہر وقت اقتدار کھونے کا خوف ہوتا ہے۔ اس لیے وہ لوگوں اور ان کے رازوں سے واقف ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اس سے معاشرے میں بے چینی، بے اعتمادی اور لڑائی کی فضا پیدا ہوتی ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

مساوات کا حق

اسلام نے تمام انسانوں کو بغیر کسی امتیاز نسل ورنگ اور علاقے کے بحیثیت انسان مساوی قرار دیا اور فضیلت کی بنیاد تقویٰ پر رکھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(41) یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّأُنْثَیٰ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللَّہِ أَتْقَاکُمْ۔

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ حجۃ الوداع میں بھی اسی پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

(42) یاایھاالناس الاان ربکم واحد وان اباکم واحد الالافضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولالاحمر علیٰ اسود ولالاسود علیٰ احمر الّا بالتقویٰ۔

لوگو! خوب اچھی طرح سن لو، تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے۔ خوب اچھی طرح سن لو۔ نہ عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے، نہ عجمی کو عربی ''
''پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر، اگر کسی کو کسی دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔

عہدِ نبوی، خلافت راشدہ اور بعد میں آنے والے خلفاء نے ان آیات اور احادیث پر سختی سے عمل کیا اور خلیفہ اور عوام، آقا اور غلام، امیر اور غریب اور مسلم اور غیر مسلم کے درمیان انصاف میں اصولِ مساوات کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی نظیر تاریخ میں ملنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت موسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، ان کے بیٹے عبداللہؓ، عبداللہ بن فرط (والیٔ حمص)، قدامہ بن مظعون (والیٔ بحرین) کے خلاف سزا کے احکامات دیے اور خود اپنے بیٹے عبدالرحمٰن بن عمرؓ پر حد جاری کی۔ (43)

مغرب میں بھی انسانوں کو 'مساوات' کا حق دیا گیا ہے لیکن یہ انیسویں صدی میں ہوا اور وہ بھی صرف قانون سازی کی حد تک ہے۔ سیاہ نسل کے باشندوں کو آج بھی سماجی سطح پر عدم مساوات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اسلامی مساوات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ شخص حتیٰ کہ عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو پناہ دے سکتی ہے اور حکومت اس کو قبول کرے گی۔ ارشاد نبوی ہے :

(44) ذمۃ المسلمین واحدۃ یسعیٰ بھا اُدناھم۔

''سب مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے، ان کا ادنیٰ شخص بھی کسی کو پناہ یا امان دے سکتا ہے۔ ''

مغربی حقوق انسانی میں پناہ دینے اور امان طلب کرنے کے حق کے سلسلے میں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ "The International Covenant on Civil and Political Right, 1966" میں اس موضوع پر کوئی واضح قانونی شق نہیں ہے۔

عزت کا حق

اسلام نے نہ صرف انسان کے جان و مال کو ایک دوسرے پر حرام قرار دیا بلکہ ان کی عزت و آبرو کو بھی تاقیامت حرام ٹھہرایا ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بہت مال و دولت اور جاہ و منصب والا ہو بلکہ معاشرے کا ہر فرد اپنی پیدائش سے ہی عزت دار ہے اور اس کو اسے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

(45) یَا أَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَیٰ أَن یَکُونُوا خَیْرًا مِّنْہُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَیٰ أَن یَکُن

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مرد کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔"

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُم بَعْضاً۔ (46)

"اور تم ایک دوسرے کی برائی پیٹھ پیچھے بیان نہ کرو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:

من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شئ فليتحلّله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم۔ (47)

"جس شخص نے کسی کی بے عزتی کی ہو یا اس پر کچھ ظلم کیا ہو تو وہ آج ہی اس سے معاف کرا لے اس دن سے پہلے جب روپیہ پیسہ نہ ہو گا کہ اس کے کچھ کام آئے۔"

اس کے برعکس مغرب نے انسان کو عزت کو حق تو دیا ہے لیکن ہتک عزت کے مدعی کو پہلے یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ واقعی عزت والا ہے اور اسے اس سلسلے میں گواہ بھی پیش کرنے ہوتے ہیں کہ وہ ان کی نگاہ میں بے عزت ہو گیا ہے۔ اس عمل سے مدعی کی مزید توہین اور تذلیل ہو جاتی ہے۔ قانونِ ہتک عزت کو اس قدر پیچیدہ بنا دیا گیا ہے اس سے انصاف ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔

عورت کا حق

اسلام نے جتنے حقوق عورتوں کو دیے ہیں اس سے زیادہ آج تک کسی بھی ملک کے قانون نے نہیں دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (48)

"عورتوں کے حقوق بھی معروف طریقے پر ویسے ہی ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، لیکن مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔"

شریعت نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کیا، انہیں معاشرے میں برابر کا حق دیا، ان کا نان نفقہ متعین کیا، جائیداد میں ان کا حصہ متعین کیا، حق مہر اور حق خلع دیا اور ان کی عزت و ناموس کی خصوصی پاسداری کی تاکید کی گئی۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت سزا متعین کی۔ قرآن کہتا ہے:

(49) اِنَّ الذِیْنَ یَرْمونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافلاتِ الْمُوْمِنَاتِ لُعِنُوافِی الدُّنْیَاوَالْاٰخِرَۃِوَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

''جولوگ پاک دامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیااور آخرت میں لعنت کی گئی اوران کے لیے بڑاعذاب ہے۔ ''

ایک اور جگہ اللہ تعالی کاارشاد ہے:

(50)وَالذِیْنَ یَرْمونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوابِاَرْبَعَۃِشُہَدَاءِ فَاجْلِدُوہُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَۃًوَلَاتَقْبَلُوالَہُمْ شَہَادَۃًاَبَداً۔

''اور جولوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھرچار گواہ لے کر نہ آئیں،ان کواسّی کوڑے مارواوران کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ ''

اس کے برعکس مغرب نے عورتوں کومختلف پرفریب نعروں کے ذریعے بنیادی حقوق دینے کے نام پر مردوں کے مساوی قرار دیااورانہیں مردوں کے شانہ بشانہ لاکھڑاکیا۔جس کا نتیجہ یہ ہواکہ بظاہر تمام حقوق اور آزای دیے جانے کے باوجودان کامعاشی، سماجی، اقتصادی، اخلاقی طور سے زبردست استحصال کیاجارہاہے۔جس کے نتیجے میں خاندانی نظام، نئی نسلیں، ادارےاور تہذیب وتمدن بر باد ہورہے ہیں۔اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں عورت کی معاشی اوراقتصادی صورتِ حال کاجائزہ یوں لیاگیا:

"Woman Constitute half the World's population, perform nearly two third of its work house, recieve 1/10th of the World's Income, and own less than one hundredth of the World's property."(51)

'' دنیاکی آدھی آبادی عورتوں پر مشتمل ہے،دنیاکے دوتہائی کام کے گھنٹوں میں عورت کام کرتی ہے مگراسے دنیاکی آمدنی کادسواں حصہ ملتاہےاور وہ دنیا کے املاک کے سویں حصہ سے بھی کم کی مالک ہے۔''

جنگی حقوق

اسلام نے ہمیشہ اعتدال پسند اصول جنگ کی تبلیغ کی ہےاور جنگ کی اجازت صرف فتنہ وفساداور ظلم وزیادتی کوروکنے، بدامنی کے ماخذوں کوختم کرنے، امن وامان قائم کرنے،انسانی زندگی کی جائز حفاظت اور حقیقی اقدار کے لیے دی ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فوجوں کوروانہ کرتے وقت انسانی اقدار سے متعلق باقاعدہ ہدایات دی جاتی تھیں۔چناں چہ آپؐ سپہ سالاراور فوج کوپہلے تقویٰ اور خوفِ خدا کی نصیحت کرتے پھرارشادفرماتے:

(52) اغزوابسم اللہ، وفی سبیل اللہ، قاتلوامن کفر باللہ، ولاتغلّوا، ولاتغدروا، ولاتمثلوا، ولاتقتلواولیداً۔

"جاؤاللہ کا نام لے کراور اللہ کی راہ میں، لڑوان لوگوں سے جواللہ سے کفر کرتے ہیں مگر جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرو، غنیمت میں خیانت نہ کرو، مثلہ نہ کرواور کسی بچہ کو قتل نہ کرو۔"

بحالتِ جنگ انسانی حقوق میں سے چند کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

(الف) سفراء کے قتل پر روک: اسلام نے سفیروں کو قتل کرنے سے بھی روکا ہے، خواہ وہ کتنا ہی گستاخانہ پیغام لائیں۔ مسیلمہ کذاب کا سفیر عبادہ بن الحارث جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا:

لولا انک رسول لضربت عنقک۔(53)

"اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں تیری گردن مار دیتا۔"

(ب) حالتِ غفلت میں دشمن پر حملہ کی ممانعت: اسلام سے قبل دشمنوں پر رات یا رات کے آخری پہر میں غفلت کی حالت میں حملہ کیا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ صبح سے پہلے حملہ نہ کیا جائے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے:

کان اذا جاء قوماً بلیل لم یغر علیھم حتیٰ یصبح۔(54)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے تھے۔"

(ج) تکلیف دے کر قتل کرنے پر روک: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو باندھ کر یا تکلیف دے کر مارنے اور قتل کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت ایوب انصاریؓ سے مروی ہے:

ینھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل الصبر۔(55)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ صبر (باندھ کر مارنے) سے منع فرمایا۔"

(د) آگ سے جلا کر مارنے پر روک: اسلام سے قبل جنگ میں قیدیوں یا دشمنوں کو آگ میں زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ ارشادِ نبوی ہے:

لاینبغی ان یعذب بالنار الارب النار۔(56)

"آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے اور کسی کو سزاوار نہیں۔"

ہ)قیدیوں کے قتل پر روک:اسلام نے قیدیوں کے ساتھ برا سلوک کرنے، نامناسب سزا دینے اور قتل کرنے سے منع کیا ہے اور حکومت کو اختیار دیا)
: ہے کہ چاہے تو انہیں بلا فدیہ آزاد کر دیا جائے یا فدیہ لے کر آزاد کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے

(57)حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا۔

یہاں تک کہ جب تم انہیں اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اس کے بعد (تمہیں اختیار ہے) یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر، تا ''
''آں کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اسلام کی طرف سے انسانی حقوق کی ان بے مثال تعلیمات نے دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ اس انقلاب کے لیے کل انّیس (19) اور بعض روایتوں کے مطابق 27 غزوات (58) اور 54 سرایا اور بعض کے مطابق 56 سرایا 2ھ سے 9ھ کے درمیان آٹھ سال کی مدت میں ہوئے۔ اگر ان لڑائیوں کو جارحانہ اور اقدامی تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان میں مجموعی طور سے 259 مسلمان شہید ہوئے۔ مخالفین کی طرف سے مجموعی طور سے 759 افراد قتل کیے گئے اور 6564 قیدی بنائے گئے، جن میں سے 6347 قیدیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ
(59) لطف واحسان بلا کسی شرط کے آزاد فرما دیا تھا۔

اس کے برعکس مغربی دنیا جنگی حقوق سے پہلی مرتبہ سترہویں صدی کے مفکر گروشیوس (Hugo Grotius 15831501645) کے ذریعے واقف ہوئی اور عملی طور پر بین الاقوامی جنگی حقوق اور قوانین کی تدوین انیسویں صدی کے وسط (1856) میں ہوئی۔ (60) اس سے پہلے مغرب میں جنگی حقوق کا کوئی تصور نہیں تھا اور اس میں ہر طرح کے ظلم وستم جائز تھے۔

مغربی جنگی حقوق اور قوانین کا ایک ناقص پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی اصل حیثیت بس ایک 'معاہدے' کی ہے، کیوں کہ کوئی بھی ملک ان حقوق کو اپنے لیے واجب العمل نہیں سمجھتا ہے، الّا یہ کہ فریقِ ثانی بھی ان کی پابندی کرے۔ ظاہر ہے کہ اسے حقوق کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان نام نہاد حقوق کی تمام جنگوں میں دھجیاں اڑائی گئیں، مثلاً جنگ عظیم اول 1914ء میں کم وبیش ایک کروڑ انسانوں کا خاتمہ ہوا اور دوسری جنگ عظیم 1939ء میں چھ (4) کروڑ افراد مارے گئے۔ موجودہ دور میں 1990ء کے بعد سے افغانستان، عراق اور پاکستان میں ہی دہشت گردی کے نام پر 4 ملین (40 لاکھ) مسلمان مارے جا چکے ہیں۔ (61) اگر اس میں شام، مصر، لیبیا، تیونس اور بعض دیگر ممالک کو شامل کر لیا جائے تو مقتولین کی تعداد 5 ملین (50 لاکھ) سے تجاوز کر جائے گی۔

اسلام اور مغربی تصورِ حقوق کے تقابلی مطالعے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے عطا کردہ بنیادی حقوق زیادہ جامع، مفصل اور مؤثر ہیں۔ یہی وہ نظام اور ضابطۂ حیات ہے جو موجودہ دور کے تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اور انسانی فلاح و بہبود کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے دنیا کے سامنے صحیح طریقے سے پیش کیا جائے۔

****

حواشی و حوالہ جات

(1)محمد طاہر القادری، اسلام میں انسانی حقوق، منہاج القرآن پبلیکیشنز، 2004ء، ص91

(2)Morris Stockhammer, Plato Dictionary, Philosophical Laibrary, New York, 1903, P.32

(3)Thomas P. Kierman, Aristotle Dictionary, Philosophical Library, New York, 1962, P.185,364

(4)صلاح الدین، محمد، بنیادی حقوق، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، اشاعت دوم، 1989ء، ص31۔39

(5)اقلیتوں کے حقوق اور مغرب میں اسلاموفوبیا، ایفا پبلیکیشنز، جامعہ نگر، نئی دہلی، 2011ء، ص311

(6)http://www.un.org/en/universal-declaration-human-rights/index.html

(7)Hans Kelsen, The Law of United Nations, London, 1950, P.29

(8)Karl Mannheim, Diagonisis of Our Time, London, 1947, P.15

(9)Friedmann W, Legal Theory, Sterers Saw, London, 1967, P.392

(10)Kernig,C.D, Marxism, Communism and Western Society: A Comparative Encyclopedia, P.56

(11)Ilyas Ahmad, Sovereignty-Islamic and Modern, The Allies Book Corporation, Karachi

(12)بخاری:7138

(13)آل عمران:19

(14)مسند احمد:5/411

(15)الحجرات:13

(16)الانعام:115

(17)الانعام:34

(18)الانعام:57

(19) الانعام:116

(20)الانعام:148

(21)المائدۃ:7

(22)آل عمران:76۔77

(23)شبلی نعمانی،الفاروق،دارالاشاعت، کراچی، 1991ء، ص 332

(24) اسلام نے میں چھ صورتوں میں قتل کرنے کی اجازت دی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صلاح الدین، محمد، بنیادی حقوق، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، اشاعت دوم، 1989ء، ص 236

(25)المائدۃ:32

(26)النساء:93

(27)الانعام:151

(28)النساء:29

(29)بخاری:3166

(30)مؤطا:24/720

(31)آل عمران:79

(32)مسند زید: 1/229

(33)تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "https://en.wikipedia.org/wiki/Atlantic_slave_trade"

(34)البقرۃ:256

(35)یونس:99

(36)الحج:41

(37)الحجرات:12

(38)النور:27۔28

(39)أبوداؤد:4889

(40)أبوداؤد:4888

(41)الحجرات:13

(42)مسند احمد:5/411

(43)تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، الفاروق، شبلی نعمانی

(44)ترمذی:1579

(45)الحجرات:11

(46)الحجرات:12

(47)بخاری:2449

(48)البقرۃ:228

(49) النور:23

(50)النور:4

(51)(U N Report 1980, Quoted in Contemporary Political Ideologies: Roger Eatwell & Anthony Wright, Westview Press, San Francisco, 1993)

(52)ترمذی:1617

(53)ابوداؤد:2762

(54)ترمذی:1550

(55)ابوداؤد27:2687

(56)ابوداؤد:2675

(57)محمد:4

(58)امام بخاری نے غزوات کی تعداد زید بن ارقمؓ کے حوالے سے انیس (19) لکھی ہے۔(بخاری:3949)

(59) قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری، رحمۃ للعالمین، مرکزالحرمین الاسلامی، فیصل آباد، پاکستان، 2007ء، جلد2، صفحہ 462ـ463

(60)https://en.wikipedia.org/wiki/Law_of_war

(61)IPPNW (International Physicians for the Prevention of Nuclear War),Casualty Figures after 10 Years of the 147War on Terror148 Iraq Afghanistan Pakistan,Washington DC, Berlin, Ottawa-March 2015

****